شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

فروری 2019ء / جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ 1440ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 2 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

ترتیبِ مضامین

- اپنے ربّ کی عبادت؛ تقویٰ کے حصول کا راستہ
- مسجد کا حقیقی کردار
- حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم فہری قرشی رضی اللہ عنہٗ
- مذہب کے کاروباری استعمال کی وبا
- قیادت میں ہیرو اِزم کا تصور
- ارتقاقِ دوم میں خاندانی اور گھریلو نظام
- محمد بن قاسم کا سندھ میں مذہبی رواداری کا معاہدہ
- بین الاقوامی مالیاتی بحران
- بحرالکاہل۔ ایشیا امریکا تجارتی کشمکش
- اعمال کے نتائج کا فطری نظام
- گفتگو کا درست انداز و اُسلوب
- قولِ سدید اور قولِ سقیم کا فرق
- فتنہ سے بچاؤ کی حکمتِ عملی
- سیّد العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ (بھرچونڈی شریف)
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا انعقاد
- ہدیۂ عقیدت بہ حضور حضرت رائے پوری خامس
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(مولانا) عزیز الرحمٰن (لدھیانوی) نے عرض کیا کہ: حضرت! یہ جو (حضرات) چشتیہ کے ہاں سماع ہوتا ہے، یہ کچھ مفید ہے؟

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''کچھ کچھ ذکر کے وقت شعر پڑھنے کو میں بھی کہہ دیا کرتا ہوں، تاکہ (طبیعت میں) بالیدگی (تازگی) ہو، مگر اسی کو سب کچھ بنا لینا یہ غلط اور بے فائدہ ہے۔ باقی اگر ہم میاں جی نور محمد صاحب (جھنجھانویؒ)، حضرت حاجی (امداداللہ مہاجر مکی) صاحبؒ اور حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ ان حضرات کو نہ دیکھتے تو شاید سمجھتے کہ سماع چشتیہ (سلسلے) کے لوازمات سے ہے، مگر یہ حضرات چشتی تھے اور سماع سے مجتنب (دُور) بھی۔ اس لیے یہ کچھ ضروری نہیں۔''

(مجلس: ۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/10؍اگست 1946ء، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 38-137، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

اپنے ربّ کی عبادت؛ تقویٰ کے حصول کا راستہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (اے لوگو! بندگی کرو اپنے ربّ کی، جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔) (2:21)

شروع سورت میں یہ بنیادی حقیقت واضح کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اس کتاب کی تعلیمات میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ متقی بننے کا سیدھا راستہ بتلاتی ہے۔ اس کے بعد قرآنی تعلیمات کے حوالے سے تین جماعتوں کا تذکرہ کیا گیا۔ چناں چہ اس کتاب کی تعلیمات پر ایمان رکھنے والوں کی فلاح اور کامیابی، ان تعلیمات کا انکار کرنے والوں کی ناکامی اور قرآنی تعلیمات سے نفاق برتنے والوں کے عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس آیت سے کتابُ اللہ کی حقانیت پر دلائل دیتے ہوئے قرآنی احکامات کو قبول کرنے کی دعوت دی جارہی ہے اور تقویٰ سے متعلق امور کی نشان دہی کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ : اس آیت میں کل انسانیت کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ فطری طور پر تمام انسانوں میں یہ استعداد پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ربّ تبارک وتعالیٰ کو پہچانیں۔ اس لیے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اُس میں تقویٰ حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے، مگر اس کے گردوپیش کا ماحول اُسے گمراہ کردیتا ہے۔ اس آیت میں انسانوں سے مخاطب ہوکر کہا جارہا ہے کہ وہ اپنے گردوپیش میں موجود غلط افکار واعمال اور فاسد نظام کے اثرات کی غلامی سے نکل کر اپنے پروردگار کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کریں۔ چناں چہ دعوتِ قرآنی کی سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہوئے صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ صرف اُس ذات کی عبادت کی جائے، جو انسانیت کا ربّ ہے۔ ایسی ذات جو انسانوں کو کمزوری اور نقص سے نکال کر مضبوطی اور کمال تک پہنچانے والی اور اُن کی پرورش کرنے والی ہے، اس ربوبیتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ دن رات میں صرف اُسی کے تمام احکامات کی پابندی کی جائے۔ چناں چہ پانچ مقررہ اوقات میں نماز ایسی اعلیٰ ترین عبادت کی جائے۔ اسی طرح رزقِ حلال کمانے اور معاشی امور کی انجام دہی میں احکاماتِ الٰہی کی پابندی کی جائے اور کمائے ہوئے رزق میں سے انسانیت پر خرچ کرنے کی عادت ہو۔ اس عبادت کی تفصیلات؛ ایمان بالغیب، نماز باجماعت کا قیام اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے متعلق شروع سورت میں بیان ہوچکی ہیں۔

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ : اُس ربّ کی عبادت کا حکم دیا جارہا ہے، جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ انسانیت کی تخلیق اللہ کے کمالات میں بڑی ہی اہم کمال ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بغیر کسی مادے کے تمام مخلوقات کا مادہ بنایا، جسے قرآن حکیم نے ''بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (117:2) کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ پھر اس مادے سے مختلف نوعیت کی مخلوقات پیدا کیں۔ ہر مخلوق کے لیے کچھ آثار وخواص مقرر کیے، جن کی وجہ سے تمام مخلوقات ایک دوسرے سے ممتاز ہوئیں۔ جس مخلوق کے لیے جو شکل وصورت، جسمانی ساخت اور آثار وخواص متعین کردیے، آج تک اُسی کے مطابق مخلوقات کا سلسلہ جاری ہے، جسے اللہ تعالیٰ ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'' (54:7) سے تعبیر کرتا ہے۔ انسانوں کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے کہ تم سے پہلے کے انسان جن خصوصیات کے حامل تھے، اُسی نمونے پر آج تمھیں بھی پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں اُس ربّ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، جو انسانی شاہکار تخلیق کرنے والا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ : تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ تقویٰ کے حصول کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ شرک سے پاک اللہ وحدہٗ لاشریک کی خالص عبادت کی جائے۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات اور کمالات میں کسی مخلوق کو شریک نہ کیا جائے۔ جب انسانیت کی تخلیق صرف اُسی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ نے کی ہے تو غلامی اور عبادت بھی صرف اُسی کے لیے ہے۔ اپنے جیسے انسانوں کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھنا اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اپنے سے کم تر مخلوق کسی پتھر یا درخت یا جانور وغیرہ کی پوجا کرنا اس سے بھی بڑا ظلم ہے۔ شرک سے پاک اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی انسان میں تقویٰ کی صفات پیدا کرتی ہے۔ تقویٰ کی اہم صفات میں انسانوں کے ساتھ عدل وانصاف قائم کرنا بھی ہے۔ اب اپنے جیسے انسانوں کو خدا ماننا عدل ومساوات کے قطعی منافی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ اُس ذاتِ باری تعالیٰ کو کسی بھی مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہ دی جائے۔ وہ ذاتِ باری تعالیٰ جو کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اُس کی مثل کوئی نہیں ہے۔ وہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۝ (11:42) (کوئی شئے اُس کے ہم مثل نہیں) ہے، اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔ جب اُس خالقِ کائنات کے کمالات کی طرح کوئی کمال کسی اَور مخلوق میں نہیں ہے تو ایسی صورت میں صرف اُسی ذات کی عبادت کرنا ہی انسانوں پر لازم ہے۔

تقویٰ کے حصول کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد ہر وقت دل میں قائم رہے اور اُس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اُس کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ اُس کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے اور دین کے نظام کو مغلوب بنانے کی کوشش کرنے والے انسانی گروہ اور جماعتوں کے خلاف مزاحمت کی جائے۔ دین کا غلبہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات پر مشتمل نظامِ حیات کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قائم اور غالب کرنے کی کوشش کرے۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کائنات کا عالم گیر نظام چلا رہے ہیں، انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر انسان دوستی کا ایسا ہی نظام انسانی سوسائٹی میں قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔ اور جو لوگ اس کے راستے میں رُکاوٹ بنیں، اُن کے خلاف جدوجہد کا راستہ اختیار کرے، تاکہ شرک، کفر اور ظلم کی طاقت مغلوب ہو اور اللہ کا دین غالب ہو۔ یہی تقویٰ ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

مسجد کا حقیقی کردار

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ''یُوْشَکُ أنْ یَّاتِیَ عَلَی النَّاسِ زمان .... مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّ ھِیَ خَرَابٌ مِنُ الْھُدٰی.'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 257)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جلد ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی مساجد (بہ ظاہر) آباد ہوں گی، مگر ہدایت کے اعتبار سے وہ خراب ہوں گی۔'')

دنیا بھر کی تمام مساجد کا رُخ بیت اللہ الحرام کی طرف ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کے مطابق ''بیت اللہ الحرام لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن و امان کا مرکز ہے۔'' (125:2) نیز دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ''اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ قریب ہے کہ ایسے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہوں۔'' (18:9) جن مساجد میں مذکورہ بالا اعمال ہوں، وہ حقیقت میں سچے طور پر آباد ہیں، لیکن مساجد میں خدا کے بجائے غیروں کا ڈر غالب ہو، غریبوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو اور نماز محض رسم بن کر رہ جائے، ایمان بھی ظاہری اور رسمیت اختیار کر جائے، ایسی مساجد خواہ بہ ظاہر آباد ہی کیوں نہ ہوں، وہ ہدایت سے خالی ہیں۔ بلکہ ارشادِ نبویؐ کے مطابق وہ ہدایت کے نظام کو خراب کرنے والی ہیں۔

قرآن حکیم نے دو طرح کی مساجد کا تذکرہ کیا ہے: ایک مسجد وہ کہ جو تقویٰ کے اصول پر قائم کی گئی ہو۔ ایسی مسجد میں مسلمانوں کو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسری مسجد وہ جسے مسجدِ ضرار کہا گیا ہے، جس میں انسانیت کو نقصان پہنچانے، مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے، کفر اور ظلم کے نظام کا ساتھ دینے جیسے منفی امور اختیار کیے جاتے ہیں۔ منافقینِ مدینہ نے مسجدِ نبویؐ اور قبا کے مقابلے پر مسجد کے نام پر ایک عمارت تعمیر کی، جس سے ان کا مقصد مذکورہ بالا منفی امور کو اختیار کرنا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا کہ آپ اس میں ایک لمحے کے لیے بھی قیام فرما نہ ہوں، بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر قائم مسجدِ نبویؐ میں قیام کا حکم دیا۔

ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مسجدِ نبویؐ میں سب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان اُخوت قائم کر کے ان کے باہمی حقوق کو محفوظ کیا۔ دوسرا یہ کہ آپؐ نے مدینہ منورہ کے دیگر باشندوں کے حقوق کا نظام ''میثاقِ مدینہ'' کی صورت میں یقینی بنایا۔ یوں مدینہ منورہ کو عدل و انصاف اور اَمن و آشتی کا گہوارہ بنا دیا۔ پھر رسول اللہؐ نے بیت اللہ الحرام کو آزاد کروایا اور وہاں پر اپنا نظام قائم کیا۔ یوں آپؐ نے پورے جزیرۃ العرب میں عدل و انصاف، خوش حالی اور باہمی مودّت و محبت کی راہ ہموار کر دی۔ اب دنیا کے اندر جتنی بھی مسجدیں ہیں، وہ جب مسجد نبویؐ کے اس تاریخی کردار پر قائم ہوں گی تو وہ ہدایت پر قائم رہیں گی۔ اگر وہ اس نہج پر نہیں ہیں تو پھر ایسی مسجدیں خواہ کتنی ہی بہ ظاہر آباد کیوں نہ ہوں، ہدایت سے خالی ہوں گی۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی مسجدوں میں حریتِ فکر، عدل و انصاف اور غلبۂ دین کے نظریے کو عام کریں اور ان مسجدوں کو دینی تربیت گاہ کا درجہ دے کر غلبۂ دین کے مرکز کے طور پر کام میں لائیں۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم فہری قرشی رضی اللہ عنہٗ

حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم فہری قرشیؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ماموں زاد بھائی اور شروع کے دور میں اسلام لانے والے نابینا صحابی تھے۔ ابتدائے بعثت میں نورِ اسلام چمکا تو آپؓ مسلمان ہوگئے۔ انھیں ذاتِ نبویؐ سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل تھا۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت کے بعد آپؓ حضور اکرمؐ سے پہلے ہی مدینہ ہجرت کر گئے۔ مدینہ میں حضورؐ نے ان کو مسجدِ نبویؐ میں مؤذّن مقرر کر دیا۔ رمضان المبارک میں ان کی اذان سحری کا وقت ختم ہونے کا اعلان ہوتی تھی۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت مصعبؓ اور پھر حضرت ابن اُمّ مکتومؓ مدینہ ہجرت کر کے آئے اور یہ دونوں ہمیں قرآن حکیم پڑھاتے تھے۔ جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ: لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں نکلنے والے اور جہاد کرنے والے' گھر میں بیٹھے رہنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتومؓ نابینا تھے، فرمانے لگے کہ: یا اللہ مدد کر! تُو تو جانتا ہے کہ میں اندھا ہوں، میرے لیے تو گنجائش نکال، میں کیسے تیری راہ میں نکلوں؟ چناں چہ آیت نازل ہو جانے کے باوجود حضرت جبرئیلؑ دوبارہ اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک لفظ (غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ) کا اضافہ لے کر آئے اور حضورؐ سے فرمایا کہ: یارسول اللہ! اب اس آیت کو یوں پڑھیے: ''لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (95:4) یعنی مسلمان جو بغیر عذر کے گھر بیٹھے ہوئے ہیں وہ، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ ہاں! جو عذر والے ہیں، ان کے لیے معافی ہے۔ عذر کے باوجود ان کا ولولۂ جہاد و جدوجہد اَور تیز ہوگیا۔ نابینا ہونے کے باوجود جنگ میں شریک ہوتے اور فرماتے کہ مجھ عَمِی (اندھے) کو جھنڈا دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو۔ نابینا ہوں، بھاگنے والا نہیں ہوں۔ یہ نظریۂ حق کے لیے جذبۂ فدائیت کا اظہار تھا۔ آپؐ جب غزوات اور اسفار میں تشریف لے جاتے تو انھیں مدینہ میں اپنا نائب و امامِ مسجدِ نبویؐ مقرر فرماتے۔ اس طرح یہ مجموعی طور پر تیرہ بار منصبِ نیابت پر فائز ہوئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ علومِ نبوت اور اجتماعی ذمہ داریوں کی اہلیت رکھتے تھے۔ گویا حضرت ابن اُم مکتومؓ پر یہ ایک طرح کا اعتماد اور قرب کی دلیل بھی ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ کے فیضِ صحبت سے بڑا وافر حصہ پایا۔ قرآن حکیم کے حافظ و عالم تھے اور کئی احادیث بھی ان سے مروی ہیں۔ اسلام کے شروع سے ہی وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر تعلیم کتاب و حکمت سے فیض یاب ہوتے اور مختلف آیات کے معانی و مطالب کو سوال کر کے حل کرتے رہے۔ آپؓ کے سپرد مسجدِ نبوی کی اذان کی خدمت بھی تھی اور وہ صبح کی اذان دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپؓ کے لیے رہبر مقرر کیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ اُمّ مکتومؓ اجتماعی کاموں میں معذوری کے باوجود بڑے جذبے کے ساتھ شریک ہوتے رہے، حتیٰ کہ جنگِ قادسیہ میں آپؓ شہید ہوگئے۔

شذرات

مذہب کے کاروباری استعمال کی وبا

دینِ اسلام اپنی جامع تعلیمات کے سبب انسانیت کے جملہ مسائل کا مکمل حل پیش کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے دورِ عروج کے کامیاب معاشرے اس کی روشن اور زندہ مثال ہیں۔ جب تک مسلمان معاشروں کے سامنے اسلام کا اجتماعی نصب العین اور دین کا حقیقی نظریہ رہا ہے، اس وقت تک تو اجتماعی قومی مسائل اور ریاستی امور تک میں بھی اسلام ہی کے نظامِ فکر سے رہنمائی لی جاتی رہی ہے۔

جب نصب العین اور نظریہ آنکھوں سے اوجھل ہوا تو دورِ زوال میں جہاں ایک طرف علمائے حق کا طبقہ اپنا سب کچھ قربان کرکے دین کا نظام اور وقار بحال کرنے میں مصروف تھا، وہاں دوسری طرف دین کے نام پر کچھ مذہبی طبقے اپنے مفادات کا کھیل کھیلنے میں مصروف رہے۔ مؤخر الذکر طبقے کے اس گھناؤنے کردار کے سبب نہ صرف دین کو اجتماعی معاملات میں نظر انداز کرنے کا رویہ عام ہوگیا، بلکہ آج تو اس طبقے کے کردار کے سبب مذہب کے نام پر کاروبار نے ایک وبا کی شکل اختیار کرلی ہے۔

ایسے لوگ اپنی پروڈکٹس کے نام کے ساتھ مذہب اور مقدس مقامات کے نام استعمال کرکے لوگوں کے دینی جذبے کا استحصال کرتے ہیں، جیسے اسلامک بینکنگ، اسلامک شہد، مکہ کولا، طبِ اسلامی، علاوہ ازیں عمرہ و حج ٹریولنگ، عجوہ کھجور، حجامہ، جادو اور نظر بد کے لیے دم درود اور استخارہ کرنے کے نام پر ایسے کاروبار عروج پر ہیں۔ ایسے ہی حج بدل کے نام پر ائمہ مساجد اور مذہبی طبقوں کی طرف سے مال دار طبقوں کی آخرت سنوارنے کے مکمل پیکج دیے جاتے ہیں، حتیٰ کہ کچھ مقررہ معاوضے پر قضا نمازیں پڑھوانے تک کے اشتہارات شائع ہو رہے ہیں۔

اس طرح گویا مذہب کا نام ایک مقبول ترین انڈسٹری (Industry) کے طور پر معاشرے میں متعارف کروایا جا رہا ہے۔ ان سرگرمیوں کے جواز اور ترویج کے لیے احادیث اور قرآنی آیات کو اپنے من پسند معنی اور مفاہیم پہنائے جانے کا رُجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ دینی فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بجائے مذہبی حلقوں میں فضائل اور ثواب اکٹھا کرنے کا مزاج ترویج پاتا جا رہا ہے۔ معمولی معمولی عمل سے گناہوں کی معافی اور ثواب کی کثرت کا نظریہ فروغ دیا جا رہا ہے۔ یہ ایک خاص مزاج ہے، جس کے دم قدم سے مذکورہ بالا سرگرمیوں کو افزائش کے باہم مواقع میسر آتے ہیں۔ گویا یوں دین کی چھتری تلے خالص دنیا سنوارنے کا اہتمام کرلیا گیا ہے۔

جب قوموں کے سامنے اجتماعی نصب العین اور دین کا حقیقی نظریہ نہ رہے تو چالاک لوگ قوم کی بے شعوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مذہب کے نام پر ایسی سرگرمیاں مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ مذہب کے نام پر مالی و مادی منفعت کے یہ دھندے ہمارے بدترین زوال کی علامت ہیں، جس سے دین کی اجتماعی فکر کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔ دین سے مخلص طبقوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کرتے ہوئے ان کے سدِ باب کی حکمتِ عملی وضع کریں اور معاشرے میں حقیقی دینی شعور پیدا کریں۔

قیادت میں ہیرو ازم کا تصور

اس وقت ملک کی مجموعی صورتِ حال تسلی بخش نہیں ہے۔ حکومت جن بلند و بانگ دعووں کے ساتھ آئی تھی، وہ ہنوز شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئے۔ کاروباری اور ملازمت پیشہ طبقے بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ جس تبدیلی سے وہ اپنے شب و روز بدلنے کی اُمید لگائے بیٹھے تھے، اب وہ سحر ٹوٹتا دکھائی دے رہا ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر گردوپیش میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات سے حکومت کی اہلیت ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کا اس شکستہ حال معاشرے کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا تو کجا، وہ تو روزمرہ کے امورِ سلطنت میں بھی اپنی ناتجربہ کاری اور بیوروکریسی کی روایتی چالوں کا شکار ہے۔

جن لوگوں نے ایک مخصوص شخصیت سے رومانس کی بنیاد پر اپنی توقعات وابستہ کی تھیں اور وہ خود بھی قوم کے سامنے ایک مضبوط اور نظریاتی جماعت کے بجائے ایک لیڈر کی خصوصیات بیان کیا کرتے تھے اور اپنے کئی ایک انٹرویوز میں کہہ چکے ہیں کہ اگر لیڈر ٹھیک ہو تو نیچے لوگ خود بہ خود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ان کے ان خیالات کے سبب ان کے حامی کارکن قوموں کی حالت بدلنے کے لیے فرد کے بجائے جماعت کے فلسفے کی ضرورت و افادیت پر غور کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ آج بھی شخصیت کے سحر کی وجہ سے ان کے دفاع میں اپنی تمام توانائیاں صَرف کرتے نظر آتے ہیں۔

دراصل یہ ہمارا وہ مزاج ہے جو بدقسمتی سے ایک نظریے کی شکل اختیار کرگیا ہے کہ ہم قوم کے مقدر کو اجتماعیت اور جماعت کے بجائے افراد اور ہیروز سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ ہمارے وہ ناول نگار اور تاریخ نویس ہیں، جنھوں نے تاریخ اسلام کی اجتماعی کامیابیوں کو جماعت کے بجائے افراد کی مرہونِ منت سمجھا اور اپنی تحریروں میں اس تصویر کو راسخ کیا کہ جب معاشرے ظلم اور ناانصافی کا شکار ہوتے ہیں تو کوئی ایک شخص ہیرو کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے اور پوری قوم سکھ کا سانس لینے لگ جاتی ہے۔ اس تصور سے ہماری نوجوان نسل ہیرو ازم کا شکار ہو چکی ہے۔ وہ ابتر قومی حالت کی تبدیلی کے لیے خود سے کسی اجتماعی جدوجہد کا حصہ بننے کے بجائے کسی ہیرو کے انتظار میں رہتی ہے۔ اور جیسے ہی قیادت ساز اداروں کے کارخانے سے کوئی لیڈر درآمد کیا جاتا ہے، وہ اندھا دھند ان کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعتوں کا اجتماعی ڈھانچہ باصلاحیت افراد پر کھڑا ہوتا ہے، جس کے ذریعے قوم کو باصلاحیت قیادت میسر آتی ہے، لیکن کسی ایک ہی فرد کی کرشماتی شخصیت کے سبب جماعت کی تاریخی اور سائنسی حقیقت کو نظر انداز کرکے سب کچھ ایک ہی فرد میں مرتکز کر دینا خواہ وہ کتنا ہی باصلاحیت ہو، یہ وہ غلطی ہے جس کی شکار ہماری پاکستانی سیاست گزشتہ کئی دہائیوں سے رہی ہے اور ہم بہ حیثیت قوم اس کے نتائج بھی بھگت رہے ہیں۔ فرد کے مقابلے پر جماعت کی اثر پذیری اور ناگزیریت کو ہم آئندہ کسی شذرے کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

ارتفاقِ دوم میں خاندانی اور گھریلو نظام

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

[نکاح کا متفقہ اور معروف طریقۂ کار] حیا کا تقاضا ہے کہ مرد اور عورت کے جنسی تقاضے کی ضرورت کو اُن دونوں کے شادی کے قابل ہونے کی حالت کے ضمن میں بیان کر دیا جائے کہ شادی کے بعد اسی کی اُن دونوں سے توقع کی جاتی ہے۔ شادی کی مناسب انداز میں تشہیر اور ایک نئے گھریلو نظام قائم کرنے کا تقاضا ہے کہ اس موقع پر دعوتِ ولیمہ کیا جائے، جس میں لوگوں کو بلایا جائے اور خوشی کا اظہار کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کے سلسلے کی بہت سے ایسے پہلو ہیں، جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اور بہت سے پہلو ایسے ہیں، جنھیں ذہین لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے بیان نہیں کیا ہے۔ ان تمام وجوہات کا تقاضا ہے کہ لوگوں میں جاری طریقۂ کار کے مطابق نکاح کرنا تمام قوموں میں لازمی ٹھہرا ہے۔ یہ طریقۂ کار تمام مذاہب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اسی فطرت پر ہی پیدا کیا ہے۔ اس میں عرب وعجم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان متفقہ امور سے میری مراد یہ ہے کہ:

(1) غیر محرم عورتوں سے نکاح کرنا۔ (2) مہر مقرر کر کے لوگوں کے مجمع میں نکاح ہو۔

(3) اس سے پہلے پیغامِ نکاح بھیجا جائے۔ (4) دونوں کے خاندان کی برابر حیثیت ہو۔

(5) لڑکی کے والدین کی اجازت ہو۔ (6) دعوتِ ولیمہ کی جائے۔

(7) مرد عورت کی تمام معاشی ضروریات کا کفیل اور منتظم ہو۔

(8) عورت گھریلو کام کاج کی ذمہ دار، بچوں کی پرورش کرنے والی اور فرماں بردار ہو۔

[نکاح؛ دائمی رفاقت] یہ نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے پر پورے اعتماد کی صورت میں ہمیشہ کے لیے قائم رہنا چاہیے۔ اس طرح وہ دونوں دائمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے میں پوری جدوجہد کریں گے اور ہر ایک فرد دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان اور دوسرے کے نفع کو اپنا نفع سمجھے گا۔

[طلاق اور اس کی حدود وقیود] اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ دونوں کسی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے میں راضی نہ ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلق نہ رکھنا چاہیں تو اس معاہدۂ نکاح سے خلاصی کا راستہ بھی باقی رہنا چاہیے۔ چوں کہ نکاح کا ٹوٹنا تمام جائز کاموں میں سب سے بُرا کام ہے، اس لیے طلاق کے سلسلے میں اُس کی حدود وقیود کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔

[عدت کی ضرورت] طلاق ہونے پر عورت کے لیے (اُس کی جنسی ساخت کے مطابق تین ماہواری پر مشتمل) عدت پوری کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح اگر مرد کا انتقال ہو جائے تو عورت (چار مہینے دس دن کی) عدت پوری کرتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ:

(1) لوگوں میں نکاح کے معاملے کی عزت اور عظمت برقرار رہے۔

(2) ہمیشہ کے لیے قائم کیے جانے والے تعلق کا حق ادا کیا جا سکے۔

(3) ایک طویل مدت تک اکٹھے رہنے کا حق پورا کیا جائے۔

(4) تاکہ (دوسری جگہ شادی ہونے اور پیدا ہونے والی اولاد کے) نسب میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

(۲۔ اولاد کی ذمہ داریاں)

اولاد کا اپنے والدین کا محتاج ہونا اور طبعی طور پر اُن کا اپنی اولاد پر شفقت کرنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اپنی اولاد کی ایسی تربیت کی جائے کہ جس سے فطری طور پر وہ اُن کے لیے نفع رسانی کا باعث بنے۔ والدین کو اپنی اولاد پر جو فوقیت حاصل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ درج ذیل حسنِ سلوک کو لازمی طور پر پیش نظر رکھے:

(1) وہ اُن کے سامنے تکبر وغرور کا مظاہرہ نہ کریں۔

(2) اپنے والدین کو عقل اور تجربے میں بڑھا ہوا سمجھیں۔

(3) اعلیٰ اَخلاق کا تقاضا ہے کہ والدین کے احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں دیا جائے۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت میں ایسی مشقت برداشت کی ہوتی ہے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۔ گھریلو ملازمین کی ذمہ داریاں)

انسانوں کی استعداد میں اختلاف کے سبب اُن میں کچھ لوگ طبعی طور پر رہنمائی (Leadership) کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ عقل مند اور سمجھ دار، اپنی معیشت میں آزاد اور مستقل ہوتے ہیں اور جبلی طور پر سیاسی مزاج اور خوش حالی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور کچھ لوگ طبعی طور پر ماتحتی میں کام کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ کم سمجھ اور صرف دوسروں کے تابع رہ کر کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے آدمی تبھی خوش رہتے ہیں کہ انھیں جیسے چلایا جائے، اس کے مطابق کام کرتے رہیں۔ (مستقل طور پر خود نیا کام کرنے کی صلاحیت کے حامل نہیں ہوتے۔) ایسی صورت میں ان دو استعدادوں کے حامل افراد میں سے ہر ایک کی گزر بسر دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اور خوشی اور غمی میں اُن کے درمیان تعاونِ باہمی تبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ جب وہ دونوں مل کر ایک دوسرے سے وابستہ روابط کو مستقل طور پر قائم رکھیں۔

پھر بسا اوقات (گزشتہ زمانے میں) کچھ دوسرے اتفاقات کے سبب (مثلاً جنگ وغیرہ میں) بعض لوگ دوسروں کے قیدی بن جاتے ہیں۔ اس طرح اُن کے لیے ماتحتی میں کام کرنے کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح ماتحت لوگوں سے کام لینے کا نظام پیدا ہوا۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ہر آدمی اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور پر ادا کرنے کا طریقۂ کار اختیار کرے اور اگر ذمہ داریاں نہ نبھائی جائیں تو اس کا محاسبہ ہو سکے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ مال کی ادائیگی یا اس کے بغیر ماتحت افراد کی اپنے سربراہ سے خلاصی کا راستہ بھی باقی رہنا چاہیے۔ (باب تدبیر المنزل) (جاری ہے)

www.rahimia.org

تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

محمد بن قاسم کا سندھ میں مذہبی رواداری کا معاہدہ

محمد بن قاسم اسلام کے ان نامور سپوتوں میں سے ہیں، جنھوں نے اسلام کے دورِ اوّل میں سندھ کے علاقوں میں ظلم کے خاتمے اور امن و امان قائم کرنے کے لیے بلند کردار ادا کیا۔ وہ یہاں چند مظلوم عورتوں کی دادرسی کے لیے خلافتِ اُمویہ کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ انھوں نے یہاں نہ صرف مظلوموں کی دادرسی کی، بلکہ امن و امان اور مذہبی رواداری کا بہترین نظام قائم کیا۔ چناں چہ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''سندھ کو فتح کرتے ہوئے جب عرب سپہ سالار محمد بن قاسم سندھ کے مشہور شہر الرور (روہڑی) پہنچا تو شہر والوں نے کئی ماہ تک ان کا مقابلہ کیا، پھر صلح کی اور اس میں دو شرطیں پیش کیں:

(1) شہر کا کوئی آدمی قتل نہ کیا جائے۔

(2) ان کے بت خانوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

محمد بن قاسم نے ان شرائط کو قبول کرتے وقت یہ الفاظ کہے کہ:

''ہندوستان کے بت خانے بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے آتش کدوں کی طرح ہیں''۔

سندھ کی سب سے قدیم عربی تاریخ کے فارسی ترجمے ''چچ نامہ'' میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے: ''محمد بن قاسم نے برہمن آباد (سندھ) کے لوگوں کی درخواست قبول کی اور ان کو اجازت دی کہ ''سندھ کی اس اسلامی سلطنت میں اسی حیثیت سے رہیں، جس حیثیت سے عراق اور شام کے یہودی، عیسائی اور پارسی رہتے ہیں''۔ (چچ نامہ، تاریخ ایسٹ، جلد اول، ص 186)

یعنی ایک عرب فاتح کی زبان سے یہ وہ تصریح ہے کہ اس نے ہندوؤں کو وہی حیثیت دی، جو کسی آسمانی تعلیم کے پیروؤں کی اسلامی قانون میں ہے اور ان کے بت خانوں کو بھی وہی درجہ دیا، جو اہلِ کتاب یا مشابہ اہلِ کتاب کے معبودوں اور عبادت گاہوں کا اسلام میں ہے۔ سندھ کی فتوحات کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ عرب فاتحین نے اپنی شرائط کا پوری طرح لحاظ رکھا۔'' (عرب و ہند کے تعلقات از سیّد سلیمان ندوی، ص 80-179)

اس معاہدے سے ثابت ہوتا ہے کہ:

1۔ مذاہب کا احترام اور رواداری کی اسلام میں یہ اہمیت ہے کہ اہلِ کتاب —— جن کے حقوق، ٹیکس کی ادائیگی کے بعد مسلمانوں کے برابر ہیں —— مجوسیوں یا ہندو بت پرستوں کو بھی وہی حقوق دیے گئے۔

2۔ اسلام کی جنگ کفر سے نہیں، ظلم کے خلاف ہے۔

3۔ ظالم کے خلاف جنگ بھی صرف اسی وقت تک رہے گی، جب تک وہ ظلم چھوڑ کر اسلام کا نظامِ سیاست یعنی امن و عدل کو قبول نہ کر لیں۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

بین الاقوامی مالیاتی بحران

جدید عالمی معاشی نظام کو حتمی شکل 1945ء میں جنگِ عظیم دوم کے بعد دی گئی۔ عالمی معاشی نظام کی اُس صورت گری کے پیچھے گزشتہ سو سال کا تجربہ شامل تھا۔ چناں چہ انیسویں اور بیسویں صدی کے وسط تک ڈیڑھ صدی کے دوران 20 چھوٹے بڑے معاشی بحران آئے، لیکن ان میں سے عالمی اثر رکھنے والے بحرانوں میں 1837ء میں زرعی اجناس کی قیمتوں میں کمی، 1857ء میں عہد ناموں پر قیمتی دھاتوں کی عدمِ دستیابی اور 1873ء میں عظیم کساد بازاری کے اثرات 1884ء اور 1896ء تک محسوس کیے گئے۔ اس کی ابتدا لین دین کے نظام سے چاندی کو الگ کرنے سے ہوئی۔ 1901ء میں سٹاک مارکیٹ کو شمالی امریکا کی ریلوے پر مکمل اجارہ داری کے لیے استعمال کیا گیا اور ہزاروں لوگوں کو کنگال کر دیا گیا۔ اس کی ترقی یافتہ شکل 1907ء میں دیکھنے کو ملی، جس میں پچھلے بحران کے ذمہ دار دوبارہ سامنے آئے اور اس دفعہ عالمی معیشت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ یہی وہ بحران ہے جہاں سے تیل کی دولت پر اجارہ داری کی جنگ کا آغاز ہوا اور بینکوں کی صورت میں اجارہ داری کو نئی جہت دی گئی اور دنیا کو جنگوں میں دھکیل دیا گیا۔ بالآخر سرمایہ داریت کا گھناؤنا چہرہ 1929ء میں سامنے آتا ہے، جب دنیا کو بیسویں صدی کی عظیم کساد بازاری میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا سٹاک مارکیٹ سے شروع ہونے والے اس بحران کی لپیٹ میں آ گئی۔ یہ نئے انداز کی لوٹ مار تھی، جس کے اثرات سمیٹے نہیں سمٹتے تھے۔ چناں چہ دنیا جنگِ عظیم دوم کی جانب دھکیل دی گئی۔

جنگِ عظیم کے بعد ایک نئی شروعات کی گئی اور پہلے تجربوں کی روشنی میں دنیا کا نیا مالیاتی نظام اس عزم کے ساتھ وضع کیا گیا، تا کہ دوبارہ جنگِ عظیم کو روکا جا سکے، لیکن سرمایہ داریت تو کسی بھی قتل و غارت گری کو خاطر میں نہیں لاتی، اس لیے وہی ہوا اور گزشتہ 70 سال اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ دنیا سے جنگیں اور معاشی بحران ٹل نہ سکے۔ چناں چہ 1973ء میں تیل کا بحران، 1998ء کا ایشیائی کرنسیوں کا مالیاتی بحران اور پھر عالمی مالیاتی بحران 2008ء، جس کا آغاز ہاؤسنگ کے قرضوں کی عدمِ ادائیگی سے ہوا، اس کے اثرات خاص طور پر یورپ اور شمالی و جنوبی امریکا میں شدت سے محسوس کیے گئے۔ ماہرین کے مطابق دنیا آج بھی اس سے پیدا ہونے والی بحرانی کیفیت سے باہر نہیں آ سکی۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سرمایہ دار کے لالچ کی بھینٹ قریباً ہر دس سال میں ایک دفعہ چڑھتی ہے اور ہر دفعہ 'نیا جال لایا پُرانا شکاری' کے مصداق لوٹ مار کی ایک نئی بُنت بروئے کار لاتی ہے اور ایک بڑے مالیاتی بحران سے دوچار ہو جاتی ہے، لیکن اس عمل میں فائدہ ہمیشہ سرمایہ دار کا ہوتا ہے اور نقصان عوام کا۔ آج کے پاکستان کو جس راستے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے، وہ قرضوں اور پُرتعیُّش اشیائے صَرف پر خرچ کرنے کا راستہ ہے۔ پہلے حکومت نے اپنا بال بال قرض میں جکڑا، اب عوام کو قرض دینے کی اسکیمیں بنا کر اُس راستے پر رواں کرنے کی تیاری ہے، جس کی وَجہ سے دنیا گزشتہ دو سو سالوں سے خوف ناک بحرانوں سے دوچار ہے۔ کیا ہمارے پالیسی سازوں کے پاس ترقی کا کوئی اَور حل نہیں؟

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

بحرالکاہل۔ایشیا امریکا تجارتی کشمکش

جرمن ایشین بزنس سرکل کے تحت جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں 25/فروری 2008ء کو ایک سیمینار منعقد ہوا۔ یورپین سنٹرل بینک کے صدر جین کلاؤڈ ٹرائی چٹ (Jean-ClaudeTrichet) نے ''ایشیا پیسفک ریجن کی اُبھرتی ہوئی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب میں کہا کہ: ''ہمارے مشہور و معروف مؤرخ فرینڈ براؤڈل (Fernand Braudel) نے ''عالمی معیشت'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ گزشتہ چار سو سال کے دوران مغربی یورپ میں تجارت کا مرکز کئی دفعہ تبدیل ہو چکا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں بیلجیم کا شہر اینٹورپ (Antwerp) تھا۔ سترہویں صدی میں ایمسٹرڈیم (Amsterdam) بن گیا۔ انیسویں صدی میں لندن اور پھر آخر یعنی بیسویں صدی میں امریکا کے تجارتی شہر نیویارک کو یہ حیثیت حاصل ہوگئی۔ حالیہ صدی یعنی اکیسویں صدی کو ''ایشیا کی صدی'' کہا جا رہا ہے۔ کاروباری حالات اور معاشی سرگرمیوں کا عمل اگر اسی رفتار اور انداز سے آگے بڑھتا رہا تو وہ دن دور نہیں، جب دنیا کی معیشت کا مرکز ایشیا بن جائے گا۔ فرڈیننڈ میگالن (Ferdinand Magellan) اپنے پانچ جہازوں کے ساتھ اکتوبر 1520ء کو بحیرۂ اوقیانوس سے سفر کرتے ہوئے 38 دنوں کی مسافت کے بعد جب 28/نومبر 1520ء کو جنوبی سمندر میں داخل ہوا تو اسے ایک انتہائی خوب صورت سمندر محسوس ہوا، جسے دیکھتے ہی وہ پکار اُٹھا: ''پیسفک اوشن'' (Pacific Ocean) یعنی پُرسکون اور پُرامن سمندر۔ آج ایشیا بحرالکاہل (ایشیا پیسفک) کے وسیع و عریض خطے میں تجارتی مرکزیت حاصل کرنے والے کئی امیدوار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حیثیت کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اس حوالے سے درجِ ذیل پہلو قابلِ غور ہیں:

1۔ عالمی معاشی ڈھانچے کی تشکیلِ نو کا نظریہ

2۔ عالمی مالیاتی امور کو قومی سطح پر مستحکم کرنے والے اداروں کا مربوط نظام

3۔ عالمی سلامتی کونسل کا نیا تصور

ایشیا بحرالکاہل کے وسیع و عریض خطے میں نمایاں نام جاپان، منگولیا، بنگلادیش، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ملیشیا، جزیرہ نما کوریا (شمالی، جنوبی) اور چین ہیں۔

جاپان ایشیا کا پہلا ملک تھا، جس نے صنعتی میدان میں 1868ء سے 1890ء کے دوران یورپین طرز کی معاشی ترقی حاصل کرلی تھی۔ وہ امریکا کے بعد دنیا کی دوسری بڑی معاشی طاقت بن چکا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں اگرچہ اس کی معیشت تباہ کردی گئی تھی، لیکن وہ قومی عصبیت اور عالمی ادارے کے مالی تعاون — جو ایک ملین ڈالر روزانہ کی بنیاد پر تھا — کی مدد سے بہت جلد معاشی طاقت بن کر اُبھر آیا۔ معاشی ترقی کا تصور قومی استحکام کے نظریے پر مبنی تھا، جو جاپان میں آج بھی جاری ہے۔

ایشیا بحرالکاہل میں چین نے ہن سلطنت کے عہد (130 قبل مسیح) میں شاہراہِ ریشم تعمیر کی تھی، جو نہ صرف چین کو باقی دنیا کے ساتھ ملانے کا ذریعہ بنی، بلکہ چینی مصنوعات کو عالمی منڈیوں تک پہنچانے کا سبب بھی ثابت ہوئی۔ گویا چین عہدِ قدیم میں بھی عالمی کردار کا نظریہ رکھتا تھا اور آج بھی ان کے ہاں بین الاقوامیت کا تصور بہ درجۂ اتم پایا جاتا ہے، جسے عملی شکل دینے میں وہ دن رات کوشاں دکھائی دیتا ہے۔

عالمی معاشی ڈھانچے کی تعمیر کے لیے چین نے ون بیلٹ اور روڈ کا بنیادی نظریہ متعارف کروایا، جس سے ممالک کے درمیان رابطے کی عملی شکل قائم ہوگئی۔ متعلقہ ملکوں میں سڑک کی تعمیر کے لیے فنڈز فراہم کرنے کے لیے عالمی مالیاتی ادارے قائم کیے گئے۔ ''دی نیو ڈویلپمنٹ بینک'' (The New DevelopmentBank - NDB) کے علاوہ ایشین انفراسٹرکچر انویسٹمنٹ بینک (Asian Infrastructure Investment Bank - AIIB) اور متعلقہ ملک کو اپنی برآمدات و درآمدات کے درمیانی فرق سے پیدا ہونے والے خلا کو پورا کرنے کے لیے بریکس کونٹیجنٹ ریزرو ارینجمنٹ (BRICS Contingent Reserve Arrangement- CRA) جیسے مالیاتی مراکز قائم کردیے گئے۔ ملک میں دستیاب خام قومی پیداوار کو مصنوعات میں ڈھالنے کے لیے صنعتی زون کے قیام کا منصوبہ سامنے آیا۔ ان کے قیام کے لیے مالیاتی تعاون فراہم کیا جائے گا۔ گویا یہ صنعتی زون تیار کردہ مصنوعات اگلے ملکوں کی طرف منتقل کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ گویا ایک خودکار معاشی نظام کا عالمی ڈھانچہ کام کرنا شروع کردے گا۔

اقوام متحدہ (UN) جس نے دوسری جنگِ عظیم کی کوکھ سے جنم لیا تھا، وہ آج تک اس کے معروضی اثرات سے آزاد نہ ہوسکا۔ جب بھی عالمی معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی، ہمیشہ عسکری طاقت کو ہی ذریعہ بنایا گیا۔ اس کے مقابلے میں شنگھائی تعاون تنظیم ہے، جس نے بریکس کو جنم دیا اور پُرتشدد نظریے کے بجائے مکالمے کا راستہ اختیار کیا۔ امریکا نے اپنے تجارتی خسارے کو کم کرنے کے لیے جو پالیسی اختیار کرنے کی کوشش کی، چین نے اسے اپنے مکالمے کی قوت سے چت کردیا۔ اس نے G-20 کے اجلاس میں 200 ارب ڈالر کی چینی مصنوعات کی درآمد پر تجارتی محصولات عائد کرنے کی کوشش کو پہلے درجے میں 90 دنوں (یکم دسمبر 2018ء تا فروری 2019ء) کے لیے مؤخر کردیا۔ امریکا اور چین کے درمیان اگلے مرحلے کے لیے تجارتی مذاکرات جنوری 2019ء میں چین کے شہر بیجنگ میں ہوئے ہیں۔ امریکا کے مقابلے میں چین گلوبل نظریے پر یقین رکھتا ہے۔ عالمی تجارت میں چین امریکا کو کسی ایسی سمت کی طرف بڑھنے نہیں دے گا، جس سے اس کے عالمی معاشی پروگرام کے پھیلاؤ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ درپیش ہو۔ جو نظریہ عہدِ حاضر کے تقاضے پورے کرتا ہے، اسے ہی مقبولیتِ عامہ حاصل ہوتی ہے۔ آج کی تجارتی کشمکش اصل میں دو متحارب نظریات کی جنگ ہے۔ آج بحیرۂ اوقیانوس انفرادیت کے نظریۂ تجارت کا نمائندہ ہے اور ایشیا بحرالکاہل اجتماعیت پر مبنی نظریۂ تجارت کی نمائندگی کر رہا ہے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اعمال کے نتائج کا فطری نظام

4/جنوری 2019ء کو حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! قرآن حکیم اللہ کی جانب سے انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے نازل ہوا ہے۔ اسی لیے اسے دین کہا گیا ہے۔ دین وہ ہے کہ جس میں ہر عمل کا نتیجہ ایک نظام کے تحت جاری ہوتا ہے۔ عربی میں 'دین' کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم جیسا کام کریں گے، ویسے ہی نتائج سامنے آئیں گے۔ اچھے نتائج حاصل کرنا ہر انسان کی خواہش ہے۔ وہ فطری اور طبعی طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ جو کام کرے، اُس کے نتائج اچھے نکلیں۔ اس لیے اچھائی کے حصول کے لیے اچھے اعمال کی تلاش میں انسان سرگرداں اور بہتر سے بہتر کی جستجو میں مشغول رہتا ہے۔ دینِ اسلام اعمال کا ایسا شعور پیدا کرتا ہے، جس کے ذریعے سے اچھے نتائج حاصل ہوں۔ وہ اچھے اعمال جو انسانی سوسائٹی کی اجتماعیت کو درست طور پر قائم کرسکیں، اُن کی حقیقت کیسے معلوم ہو؟ تو اس کائنات کے شہنشاہِ مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اچھے اعمال سکھانے کے لیے انبیا علیہم السلام کا سلسلہ قائم فرمایا۔ اُن کے پاکیزہ دلوں پر مقدس کتابیں نازل کیں کہ جن کے ذریعے انھیں معلوم ہوجائے کہ زیادہ اچھے نتائج پیدا کرنے والے اعمال کون سے ہیں۔

اعمال کے اچھے نتائج دو دائروں سے وابستہ ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ انسان اس کائنات کا نظام چلانے والی ذات' اللہ وحدہٗ لاشریک کی حکمرانی کو تسلیم کرے۔ اُس کو ایک حاکمِ مطلق، رزاقِ مطلق، قادرِ مطلق، طاقت ور، انتہائی حکمت و تدبر کے ساتھ کائنات چلانے والی ذات مانے۔ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ اللہ پاک نے کائنات میں جو مخلوقات پیدا کی ہیں، یہ اُن کے حقوق کو زیادہ جامعیت کے ساتھ تسلیم کرے اور انھیں ادا کرنے کی ذمہ دارانہ نوعیت اس کے اندر پیدا ہوجائے۔

انسانی اجتماعیت تبھی برقرار رہتی ہے، جب اجتماعی اعمال کا صحیح فہم وشعور حاصل ہو۔ اور اجتماعی اعمال اچھا نتیجہ تبھی پیدا کرتے ہیں، جب وہ اجتماعیت کی سوچ سے وابستہ ہوں۔ انفرادیت کی سوچ والے اعمال' حکومتی یا اجتماعی نظم ونسق نہیں پیدا کرسکتے۔ اسی لیے قرآن حکیم اپنے سمجھنے سمجھانے کے لیے اجتماعی شعور اور سیاسی امور کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ نبی اکرمؐ نے اسی بات کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے انبیاؑ اُن کی سیاست کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم/1842) یعنی اُن کے اجتماعی امور کو سیاسی نقطہ نظر سے سمجھتے اور اُن کے مسائل کے حل کرنے کے لیے کردار ادا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن حکیم اور دین کا مکمل فہم سیاسی شعور کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اجتماعی تقاضوں کا شعور نہ ہو، معاملات ہی معلوم نہ ہوں، مسائل ہی کا اندازہ نہ ہو، سوسائٹی کے تقاضوں ہی کو نہ سمجھے، تو اُسے دین کیسے سمجھ میں آئے گا؟''

گفتگو کا درست انداز و اُسلوب

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''اجتماعی مسائل کا ادراک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان مسائل کے حل کرنے کے قوانین اور ضابطے انسان کے سامنے آئیں۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم یہی انداز و اُسلوب اختیار کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (70:33) ''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔'' یعنی جس ذات نے عدم سے وجود بخشا، پھر وجود میں آنے کے بعد مختلف مراحل میں تمھاری نشو وارتقا میں کردار ادا کیا اور تمھارے وجود کے لیے طرح طرح کی نعمتیں اس دنیا کے اندر رکھیں، تو اس بات کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کی حکمرانی تسلیم کرتے ہوئے تقویٰ اختیار کیا جائے۔ اس کے بعد یہ بات واضح کی گئی: قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ (70:33) ''سیدھی اور درست بات کہو۔'' ایک مسلمان کی زبان سے نکلنے والے اقوال اور گفتگو کا انداز و اُسلوب صحیح اور درست ہونا چاہیے۔ اُس میں کوئی جھول نہ ہو۔ اجتماعی تقاضوں کے منافی کوئی بات نہ ہو۔ انسان یا تو محض ذاتی خواہش، تقاضے اور مفاد کے لیے بات کہتا ہے، یا ایسے انداز میں بات کہتا ہے کہ جس سے اُس کی ذات کو بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ ہوتا ہو۔ گفتگو اجتماعی تقاضوں کے مطابق ہو اور انسانی فائدے کی وسعت اُس کے پیشِ نظر ہو۔ کیوں کہ باتوں کے تیر دوسروں کے سینے چھلنی بھی کرسکتے ہیں اور باتوں کی مٹھاس دوسروں کے دلوں کے اندر محبت اور لذت بھی پیدا کرسکتی ہے۔ زبان سے تیر بھی چلایا جاسکتا ہے اور زبان سے حلاوت اور مٹھاس بھی منتقل کی جاسکتی ہے۔ گویا اس بات کا شعور ہونا بہت ضروری ہے کہ زبان سے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بات چیت کے سلسلے میں آپ کا اندازِ گفتگو اور طریقۂ کار کیا ہے؟ حق اور سچائی پر مشتمل سدید اور درست ہے؟ یا اجتماعی تقاضوں کے منافی سقیم اور غلط ہے؟

چناں چہ قرآن حکیم نے اجتماعی تقاضوں کے تحت ہمیں درست بات کہنے کا حکم دیا ہے کہ بات صحیح کہنی ہے۔ اب یہ صحت اور صحیح ہونا تبھی ممکن ہے کہ جب وہ بات اجتماعیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، سیاسی شعور کے مطابق ہو، اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کررہی ہو، اس کے ذریعے کسی نہ کسی اجتماعی مسئلے کا حل سامنے آرہا ہو، انسانی فائدہ اس سے ظاہر ہورہا ہو، تبھی وہ بات سدید اور درست قرار پائے گی۔ لیکن اگر اس بات سے انسانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، اُلٹا نقصان ہورہا ہے، آپ نے جو نظریہ دیا، آپ نے جو بات کی، آپ نے جو حکم دیا، آپ نے جو بیان دیا، آپ نے جو فتویٰ دیا، آپ نے جو رہنمائی کی، وہ اجتماعیت کے فائدے کی نہیں، اجتماعیت کے نقصان کی ہے، تو غلط ہے۔ گویا اجتماعیت کے ان تقاضوں کو سمجھنا اور ان کے مطابق گفتگو کرنا، یہ مسلمان جماعت کے لوازمات اور ضروریات میں سے قرار دے دیا گیا ہے۔ مسلمان جماعت جو قرآن حکیم پر ایمان رکھتی ہے، اسی کی تعلیمات سے وابستہ ہے، اس کی تمام کی تمام باتیں صحیح اور درست انداز میں ہونی چاہئیں۔''

www.rahimia.org

قولِ سدید اور قولِ سقیم کا فرق

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''سب سے درست قول اور افضل کلمہ ''لا إلٰہ إلاَّ اللّٰہ'' ہے۔ زبان سے نکلا ہوا یہ کلمہ انسان کو اللہ کے ساتھ جوڑنے، صحیح نظریے اور سوچ کو پیدا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ جب انسان اجتماعیت کے تمام دائروں کی ہر بڑی سپر میسی کو چیلنج کرتا اور اس کی جگہ پر ذاتِ باری تعالیٰ کی طاقت اور قوت کا اقرار کرتا ہے تو یہ کلمہ انسانی دل کو کھینچ کر اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ سب سے اچھا اور عمدہ قولِ سدید کلمہ طیبہ کلمہ توحید ''لا إلٰہ إلاَّ اللّٰہ'' ہے، اس لیے اس کو ''افضل الکلمہ'' کہا گیا ہے۔ جو مسلمان جتنی کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے، اپنی جسمانی، عقلی، اور قلبی قوتوں کے ساتھ جتنی مضبوطی سے اس سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے، اُتنا ہی اُس کے ذہن میں وسعت، پھیلاؤ، طاقت اور قوت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے نام ''اللّٰہ'' کا ذکر ہو یا ''لا إلٰہ إلاَّ اللّٰہ'' کا ذکر ہو، یہ جب انسان کے دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے، تو اس کے پورے وجود میں نورانیت پیدا کر دیتا ہے۔

اسی طرح انسانی معاملات، خرید و فروخت، لین دین، شادی بیاہ، سیاست و معیشت اور سوسائٹی کے اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کے لیے جتنی بھی آپ گفتگو کر رہے ہیں، اس میں بھی قولِ سدید وہی کہلائے گا کہ جہاں آپ کی تمام ارادی، افعالی، جسمانی اور روحانی قوتیں آپ کی زبان کا ساتھ دے رہی ہوں۔ تجارت میں آپ جو کچھ زبان سے سودا کر رہے ہیں، دل میں بھی واقعتاً آپ دوسرے کی خیر خواہی کے طور پر یہ معاہدہ کر رہے ہوں۔ کہیں کوئی گواہی دے رہے ہیں تو زبان سے جو کچھ کہہ رہے ہیں، آپ کا وجود بھی آپ کا ساتھ دے رہا ہو کہ آپ واقعی سچی گواہی دے رہے ہیں۔ قولِ سدید کے مقابلے پر قولِ سقیم (بیمار بات) ہے کہ جب انسان کا ضمیر اُس کی زبان کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔ ایسے قول کی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ قول زیادہ سے زیادہ زبانی طور پر ہوتا ہے۔ انسان کے دماغ کی تمام قوتیں، اس کے قلب کے تمام پہلو اور اس کے ارادوں کے تمام مراکز، اس قول کا ساتھ نہیں دے رہے ہوتے۔

اس لیے قرآن حکیم کو محض سطحی منطق اور اپنی خود ساختہ عقل کے تناظر میں سمجھنا سمجھانا قولِ سدید نہیں ہے۔ قولِ سدید یہ ہے کہ قرآن حکیم جس بنیادی فطرت کے تحت دنیا میں آیا، انسانی معاشرے میں اُس نے انقلاب برپا کیا، سماجی تبدیلی پیدا کی، تبدیلی کے لیے جو حکمتِ عملی اور پروگرام کی ترتیب بنائی، جماعت بنائی، جماعت کے ذریعے سے اگلے مرحلے میں تبدیلی کا ایک سیاسی معاشی پروگرام لا کر اُس پر عمل درآمد کیا، اُسی تناظر میں سمجھا جائے تو بات درست قرار پائے گی۔ اور اگر اس کے علاوہ محض منطقی تقریریں اور اشتعال انگیزی، فرقہ واریت، دہشت گردی، قتل و غارت گری، سیاسی بے شعوری، اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا عمل کیا جائے تو وہ قولِ سقیم ہوگا۔''

فتنہ سے بچاؤ کی حکمتِ عملی

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ میں یہ سیاسی شعور اور حکمت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کس مرحلے اور کس موقع پر آپ نے کیا بات کس طرح کرنی ہے، تاکہ اُس کے ذریعے سے سوسائٹی میں فتنہ فساد پیدا نہ ہو۔ اس بات پر غور و فکر کیا جائے کہ جو بات میں کہنے چلا ہوں، لوگوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ کہیں میں انھیں دھوکا تو نہیں دے رہا؟ جھوٹ تو نہیں بول رہا؟ منافقت تو نہیں کر رہا؟ دوسرے کو نقصان پہنچانے کا جذبہ تو نہیں ہے؟ دوسرے کی توہین و تذلیل تو پیش نظر نہیں ہے؟ کسی پر میں بہتان تراشی تو نہیں کر رہا؟ سوسائٹی میں جھگڑا اور فتنہ کھڑا کرنے کے لیے تو کام نہیں کر رہا؟ ان تمام معاملات کو سوچ کر جب انسان درست بات بولتا ہے تو وہ قولِ سدید کہلائے گا۔

پھر ایسا سچ جو سوسائٹی میں خرابی یا فتنہ و فساد کا باعث ہو اور سیاسی حکمتِ عملی کے تحت وہ ممنوع ہو تو آپ کے پیش نظر بھی وہ ممنوع ہونا چاہیے۔ آپ دیکھئے کہ حضور اقدسؐ نے مکہ مکرمہ فتح کیا۔ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں موجود تین سو ساٹھ بت اٹھوا کر باہر پھینکے، اُسے دھویا، صاف کیا اور وہاں نماز پڑھی۔ لیکن یہاں پر ایک کام کے حوالے سے احتیاط برتی، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خانۂ کعبہ کی تعمیر مستطیل حالت میں تھی۔ لیکن جب مکہ والوں نے اُسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو اُن کے پاس حلال کے پیسے تھوڑے تھے۔ اس لیے انھوں نے اُتنے پیسوں میں یہ کیا کہ خانۂ کعبہ کے حطیم کا ایک حصہ بغیر تعمیر کے رہنے دیا۔ انھوں نے وہاں ایک طبقاتی تقسیم پیدا کر دی کہ اس غیر تعمیر شدہ حطیم کی طرف سے صرف غریب غربا خانۂ کعبہ کی برکت حاصل کرنے آئیں اور گزر جائیں اور وہ اس مستطیل خانۂ کعبہ کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے۔ نیز خانۂ کعبہ کے اس سے پہلے زمین سے برابر لگے ہوئے دو دروازے تھے کہ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے، دوسرے سے باہر نکل جاتے، یہاں پر بھی انھوں نے ایک دروازہ بند کر دیا اور دوسرا دروازہ زمین سے تقریباً نو دس فٹ اوپر اٹھا دیا کہ عام لوگ محض اس کو ہاتھ لگا سکیں۔ اور اس دروازے کو تالا لگا کر چابیاں طاقت ور طبقے نے اپنے قبضے میں لے لیں، تاکہ جس کو وہ چاہیں، وہی بذریعہ سیڑھی خانۂ کعبہ میں داخل ہو سکے۔

سچ یہ تھا اور سب کو معلوم بھی تھا کہ خانۂ کعبہ اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے، لیکن اسے دوبارہ تعمیر کرنے کے عمل سے عام لوگوں کے گمراہ ہونے اور دین سے دور ہونے کا ڈر موجود تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ کیسا نبی آیا ہے کہ جس نے کعبہ کو بھی گرا دیا۔ چناں چہ اس سیاسی حکمتِ عملی کے تحت نبی اکرمؐ نے جو بنیادی اور ضروری کام تھا وہ تو کیا کہ جتنے بت تھے، اٹھا کر باہر پھینک دیے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ: ''اگر تمھاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کو ڈھا دیتا اور اسے (پھر سے) ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔'' (سنن نسائی/2904) تاکہ ہر خاص و عام خانۂ کعبہ کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل سکے اور کوئی طبقاتی تقسیم بھی برقرار نہ رہے۔''

www.ahnafmedia.com

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

سیّد العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ (بھرچونڈی شریف)

سرزمینِ سندھ باب الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے بھی ایک خاص مقام رکھتی ہے کہ یہاں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے قائم کیے گئے مرکز ٹھٹھہ میں مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ سے لے کر امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک ولی اللّٰہی فکر وعمل اپنی آب وتاب کے ساتھ موجود رہا ہے۔ ولی اللّٰہی تحریک کے حریت وآزادی کے اس قافلے کے تسلسل میں ایک بہت اہم نام سیّد العارفین حافظ الملّت محمد صدیقؒ کا بھی ہے، جنھوں نے نہ صرف بہ ذاتِ خود آزادی وحریت کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، بلکہ ایسے رجالِ کار تیار کیے، جنھوں نے آزادی کے حصول کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

سیّد العارفین الحافظ محمد صدیق (آف بھرچونڈی شریف) کی پیدائش 1819ء کو میاں محمد ملوکؒ کے ہاں ہوئی۔ ان کے خاندان کا تعلق قریش سے تھا، جو کہ کیچ مکران کے راستے سندھ آئے۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد تعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری ان کی والدۂ محترمہ نے بہ خوبی سرانجام دی۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ریاست بہاول پور کے ایک مکتب میں داخل ہوگئے۔ ابتدا میں حافظ صاحبؒ نے حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ سے فیض حاصل کیا۔ 1830ء میں ان کی والدہ انھیں ''سوئی'' کے مقام پر حضرت امام محمد راشد سندھیؒ کے خلیفہ حضرت سیّد محمد حسن جیلانی لاہوریؒ کی خدمت میں چھوڑ آئیں، جہاں ان کی ظاہری وباطنی تربیت ہوئی۔ حفظِ قرآنِ حکیم بھی وہیں کیا اور ابتدائی علوم کی کتب بھی حضرت سیّد حسن محمد جیلانیؒ سے پڑھیں۔ سیّد العارفینؒ نے ان سے بیعتِ سلوک کے ساتھ ساتھ بیعتِ جہاد بھی فرمائی تھی۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی ایک روایت کے مطابق جب حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا لشکر سندھ (پیر جو گوٹھ) کے مقام پر پہنچا تو اس وقت آپؒ سیّد صاحبؒ کی زیارت سے مستفید ہوئے اور سیّد صاحبؒ کی صحبت میں وقت گزارا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب وادیٔ سندھ میں جاگیرداروں اور وڈیروں کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے بھی عام عوام پر مظالم کی انتہا کردی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وقت ضرورت اس امر کی بھی تھی کہ مذہبِ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر حضرت سیّد محمد حسن جیلانیؒ نے رحیم یار خان کے قریب مقامات ''پتن منارہ'' اور ''شیخڑی'' میں کفر وشرک کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت حافظ الملّتؒ اس لشکر کے روحِ رواں تھے اور سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ یہ معرکے اُس بیعتِ جہاد کی عملی تعبیر بھی تھے، جو وہ اپنے شیخ کے ہاتھ پر کر چکے تھے۔ کفر والحاد کے خلاف مظلوم عوام کے لیے آواز اٹھانا دراصل اس فکر وعمل کا عکس بھی تھا، جس کا علم ولی اللّٰہی تحریک کے اہم رکن حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے اٹھایا تھا۔

1838ء میں سیّد محمد حسن جیلانیؒ کے وصال کے بعد بھی کچھ عرصہ سوئی میں رہے۔ بعد ازاں سندھ آکر بھرچونڈی کے مقام پر 1841ء میں خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ بھرچونڈی شریف کی اس خانقاہ کا بنیادی مقصد علوم کے تشنگان میں قرآنِ حکیم کا فہم اور بصیرت اُجاگر کرنا تھا۔ انھوں نے قرآنِ حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے خانقاہ میں ایک ادارہ بھی قائم فرمایا، جہاں اسلامی معاشرت انفرادی اور اجتماعی حوالے سے سکھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ تعلیم وتعلّم کی خود نگرانی فرماتے تھے۔ اسلام کے علوم کے فروغ کے لیے انھوں نے اپنی خانقاہ میں ایک دارالمطالعہ بھی قائم فرمایا، جہاں ہزاروں کی تعداد میں کتب جمع کیں، تاکہ طلبا کو تعلیم کے حصول میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قرآنی علوم کو عام کرنے کے لیے ان کا یہ معمول تھا کہ مختلف علاقوں میں تبلیغی دورہ جات فرماتے تھے۔

حضرت حافظ الملّتؒ سے تربیت حاصل کرنے والوں کی تعداد یوں تو بے شمار ہے، لیکن ان سب میں ایک نمایاں نام امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا بھی ہے، جنھوں نے اکتوبر 1887ء کو سندھ پہنچ کر ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ مولانا سندھیؒ بھرچونڈی میں حضرت حافظ الملّتؒ کے ساتھ گزارے ہوئے ایام کو اپنی کتاب ''ذاتی ڈائری'' میں ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں کہ: ''اللہ کی رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی تھی، اسی طرح خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گیا، جو اپنے وقت کے جنید اور سیّد العارفین تھے۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعتِ ثانیہ بن گئی، جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے''۔ دوسری جانب سیّد العارفینؒ کی بھی حضرت سندھیؒ سے اس درجہ شفقت تھی کہ انھوں نے فرمایا کہ: ''عبیداللہ نے اسلام کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا ہے تو اب سے میں ہی اس کا ماں اور باپ ہوں''۔

سیّد العارفینؒ کے کلام میں بہت تاثیر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عوام کا رجوع ان کی جانب بہت کثرت کے ساتھ ہوا۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں ان کی گفتگو کی چاشنی اور ان کی صحبت کی لذت کبھی بھی نہیں بھلا سکتا''۔ وہ ہندوستان پر انگریزوں کے ناحق قبضے اور ان کے مظالم کے شدید مخالف تھے اور اکثر اپنی مجالس میں اپنے ان جذبات کا اظہار فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنے متعلق خاص احباب میں حریت وآزادی کی روح پھونکی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس خانقاہ سے تربیت کے نتیجے میں ایسے رجالِ کار تیار ہوئے، جنھوں نے وطنِ عزیز کی آزادی کی تحریکات میں بھرپور کردار ادا کیا۔ سیّد العارفینؒ کے تیار کیے ہوئے حضرات میں ان کے خلیفہ مولانا غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ، عبدالغفار خان گڑھیؒ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، جنھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ ریشمی رومال میں بے لوث کردار ادا کیا اور وادیٔ سندھ میں ولی اللّٰہی فکر وعمل کے لیے مراکز کا قیام عمل میں لائے۔

سیّد العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ کا وصال ۱۰/ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ/ 22/ جنوری 1891ء کو بھرچونڈی شریف میں ہوا۔ وہیں ان کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ ان کے زیرِ استعمال مہر کی عبارت یہ تھی: ''خاک راہِ دردمندانِ طریق، فقیر محمد صدیق''۔

www.rahimia.org

رفتارِ کار

رپورٹ: مولانا نقاش علی عباسی، لاہور

ادارہ رحیمیہ لاہور میں دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا انعقاد

نزولِ قرآن حکیم سے لے کر اب تک ہر دور میں اہلِ علم نے قرآن حکیم کو سمجھنے سمجھانے کے لیے بے شمار کاوشیں کی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدینؓ تک اور پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ، علمائے ربانیینؒ نے ہر دور میں قرآن حکیم کے ہر پہلو کے حوالے سے خدمت سرانجام دی ہے اور اُمت کی رہنمائی کی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتارے گئے احکامات کا مجموعہ ہے۔ مسلمانوں کا اس درجے قرآن حکیم سے لگاؤ ہی دراصل مسلمانوں کے عروج کی وجہ تھی۔ افسوس کہ زوال کے دور میں اغیار کے تسلط کے سبب مسلمانوں سے قرآن حکیم کا فہم چھن گیا۔ عام طور پر مسلمانوں نے اس عظیم کتاب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔ اس پر غور و فکر کرنا چھوڑ دیا اور آپس کے اختلافات میں پڑ گئے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کے احسان سے اس برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہونے والے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خاص طور پر اس حوالے سے مسلمانوں کو متوجہ کیا اور اس وقت کی مروّج فارسی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔ اسی طرح اُن کے پورے خانوادے نے اُمت کو قرآن حکیم کے مطابق رہنمائی کی۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو زوال سے نکالنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انھیں قرآن حکیم کے ساتھ جوڑا جائے اور دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ بعد میں آنے والے بزرگوں نے اسی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند قائم کیا اور پھر قرآن حکیم کے ولی اللّٰہی طرزِ تفکر کو ہی بنیاد بنایا۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دور کے تقاضوں کے تناظر میں قرآن حکیم کے حلقہ ہائے دروس قائم کیے اور اس حوالے سے علما کی سرپرستی فرمائی۔

قرآن حکیم کے فہم کے حوالے سے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی خدمات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ خانقاہِ رائے پور نے دور کے تقاضوں کے مطابق ہمیشہ اس تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور خانقاہِ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے اپنی زندگی اسی مقصد کے حصول میں لگائی اور علما کی ایک جماعت تیار فرمائی، جو قرآن حکیم کے موضوعات پر تجدیدی انداز میں گفتگو کرنے اور اس دور میں اٹھنے والے سیاسی، سماجی اور معاشی سوالات کے قرآنی جوابات دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ حضرت رائے پوری رابعؒ نے یہ سلسلہ 1982ء میں شروع فرمایا تھا، تب سے لے کر اب تک ہر سال خانقاہِ رائے پور کی سرپرستی میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی روشنی میں دورۂ تفسیر قرآن کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ چناں چہ ہر سال کی طرح اس سال بھی مسند نشین خامس خانقاہِ رائے پور حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں ملک بھر سے آنے والے علما اور گریجویٹس نے دورۂ تفسیر میں شرکت کی۔ اور ملک بھر سے آنے والے جید علما نے قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیے، جن میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (ملتان)، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)، حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)، حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (لاہور)، حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ناصر (جھنگ)، حضرت مولانا ڈاکٹر قاری تاج افسر (اسلام آباد)، حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال) اور مولانا محمد عباس شاد (لاہور) نے ولی اللّٰہی علوم کی روشنی میں موجودہ دور کے حوالے سے شرکا کی قرآنی علوم پر تربیت فرمائی۔

اس دس روزہ دورۂ تفسیر کا شیڈول کچھ اس انداز سے تھا کہ 21/دسمبر 2018ء بروز جمعۃ المبارک کو دورۂ تفسیر کا آغاز ہوا۔ امسال دورۂ تفسیر کی ایک خاص بات ہر روز بعد نمازِ فجر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شہرۂ آفاق و بے نظیر کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' پر حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ العالی کا درس تھا، جس سے اس کتاب کے تمام ابواب کا مفصل خلاصہ شرکائے دورۂ تفسیر کے سامنے آیا۔ ''الفوز الکبیر'' کے درس کے بعد درسِ قرآن حکیم، پھر ناشتہ، اس کے بعد ظہر تک تفسیر کی کلاس، نمازِ ظہر کے بعد قرآن حکیم کی تجوید اور ''تعلیم الاسلام'' پر رہنمائی دی جاتی۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت اقدس آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ و دیگر سینئر احباب سے استفادہ نشست ہوتی۔ نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر اور نمازِ عشا کے بعد عشائیہ اور اس کے بعد درسِ قرآن گروپس کا انعقاد کیا جاتا۔ اس کے بعد ''قرآنی شعورِ انقلاب'' سے منتخب سورتوں کا تفسیری خلاصہ پیش کیا جاتا۔ اس طرح اس دورۂ تفسیر میں علما اور گریجویٹس نے اپنی نظریاتی اور روحانی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور بھرپور شرکت سے اس دورے کو کامیاب بنایا۔

29/دسمبر کو شرکائے دورۂ تفسیر کا تحریری امتحان لیا گیا، جس کا نتیجہ اگلے روز اختتامی تقریب میں پیش کیا گیا۔ دورۂ تفسیر کا اختتام 30/دسمبر 2018ء بروز اتوار کو ہوا۔ اختتامی تقریب کی نظامت کے فرائض مولانا عبدالرحمٰن (اسلام آباد) نے سرانجام دیے، تلاوتِ کلامِ پاک کی سعادت مولانا قاری خلیل اللہ (سوات) نے حاصل کی اور نعتِ رسولِ مقبولؐ مولانا سیّد نفیس مبارک ہمدانی (لاہور) نے پیش کی۔ اس کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن نے قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں کی تفسیر بیان کی۔ پھر صدارتی کلمات حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی نے پیش کیے۔ اس کے بعد آخر میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے دورۂ تفسیر کی اہمیت اور اس کے نتائج و ثمرات کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ پھر دورۂ تفسیر کے امتحان میں کامیاب ہونے والے شرکا میں اوّل دوم سوم آنے والے پوزیشن ہولڈرز اور دیگر میں انعامات اور اسناد تقسیم کی گئیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس آزاد رائے پوری مدظلہٗ کی دعا سے اس دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا اختتام ہوا۔

www.rahimia.org

منظوم کلام — وسیم اعجاز۔کراچی

ہدیۂ عقیدت بہ حضور
حضرتِ اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ العالی

کبھی میں بھول جاؤں بھی ، انھیں تو یاد رہتا ہوں
دعائیں ان کی ہوتی ہیں ، سدا آباد رہتا ہوں

فراقِ یار ہو پھر بھی ، ہجر آزار ہو پھر بھی
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

بلائے آسمانی ہو ، محبت کی گرانی ہو
ہمیشہ ان سے کہتا ہوں ، جب اشکوں کی روانی ہو

انھیں کے در پہ جانے سے ، حالِ دل سنانے سے
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

خیالِ یار اچھا ہے ، وہی گلزار اچھا ہے
مکاں ہے دل نشیں ان کا ، در و دیوار اچھا ہے

کنارے بیٹھ جانے سے ، وہیں پہ دل لگانے سے
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

ہزاروں ان کے دیوانے ، ہزاروں ان کے پروانے
مقرب اَن گنت ان کے ، لیے ہاتھوں میں پیمانے

اگرچہ دور ہوں پھر بھی ، گناہ سے چُور ہوں پھر بھی
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

مثالِ آسماں ہیں وہ ، امیرِ کارواں ہیں وہ
ذرا سر کو جھکا لوں تو ، میرے دل میں نہاں ہیں وہ

یوں دل کو شاد کرنے سے ، کہ ان کو یاد کرنے سے
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

جو وہ ارشاد کرتے ہیں ، اسے بنیاد کرتے ہیں
انھیں کی رہنمائی میں ، خدا کو یاد کرتے ہیں

یوں آنکھیں چار کرنے سے ، دل گرفتار کرنے سے
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

جنوں کا ، جوش کا طالب ، تری آغوش کا طالب
درِ اقدس پہ مر جاؤں ، تری پاپوش کا طالب

غریبِ شہر ہونے سے ، فقیرِ دہر ہونے سے
محبت کم نہیں ہوتی ، محبت بڑھتی جاتی ہے

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

ازحضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص دو باہم متقارب (قریبی) جگہوں پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو وہ مسافر شمار ہوگا یا مقیم؟

جواب اگر ان دونوں جگہوں میں فاصلہ ہو اور باہم متصل آبادی بھی نہ ہو، یعنی ایک جگہ دی جانے والی اذان دوسری جگہ بغیر اسپیکر کے سنائی نہ دے، جیسے ایک شخص دس روز مکہ شہر میں اور پانچ روز منیٰ میں ٹھہرنے کا ارادہ کرے، اس لیے کہ منیٰ مکہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، لہٰذا وہ دونوں جگہوں میں مسافر ہی شمار ہوگا۔

سوال کسی ایسی مسجد میں جہاں ایک بار نماز کی جماعت ہوچکی ہو، اس مسجد میں امام اور مؤذن بھی مقرر ہوں تو کیا مقامی لوگ وہاں دوبارہ باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب ایسی مساجد جہاں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ پابندی سے نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہو، دوبارہ جماعت کروانا مکروہ ہے۔ اگر کبھی اتفاق ہوجائے کہ کچھ مسافر یا غیر مقامی لوگ جماعت کے بعد آگئے تو وہ اپنی جماعت کرواسکتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ جماعتِ ثانیہ میں دوسرے لوگوں کو شمولیت کی دعوت نہ دیں اور اس جگہ سے علاحدہ ہوکر نماز پڑھیں، جہاں پہلے نماز ہوچکی ہو۔ نیز مقامی افراد کے لیے بہتر ہے کہ وہ جماعت سے اگر رہ جائیں تو علاحدہ علاحدہ نماز پڑھیں، یا پھر مسجد کی حدود سے باہر کسی الگ جگہ جماعت کروائیں، تاکہ کراہت سے بچ سکیں۔

سوال ایک استاذ مختلف شاگردوں سے قرآن پاک کی مختلف جگہوں سے سجدۂ تلاوت کی آیات سنتا ہے تو اس پر ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا جتنی بار آیاتِ سجدہ سنی اتنی بار سجدہ واجب ہوگا؟

جواب اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ اگر استاذ ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر اپنے شاگردوں سے ایک ہی مقام کی سجدۂ تلاوت کی آیات سنتا ہے تو اس پر ایک سجدہ واجب ہوگا۔

۲۔ اگر استاذ اپنے تمام شاگردوں کو سجدۂ تلاوت کی آیت کہلواتا ہے اور پھر تمام شاگرد اس کو یک زبان ہوکر پڑھتے ہیں تو اس پر دو سجدے واجب ہوں گے، ایک پڑھنے کی وَجہ سے اور دوسرا سننے کی وَجہ سے۔

۳۔ اگر سجدے کے مقامات علاحدہ علاحدہ ہوں اور مختلف شاگردوں سے استاذ وہ آیات سنے تو اس پر اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے جتنی بار اس نے سنا ہے۔

۴۔ اگر سجدۂ تلاوت کی جگہ اور استاذ کی مجلس ایک ہے، لیکن مختلف شاگرد اپنی جگہیں تبدیل کرکے ایک آیت استاذ کو سناتے ہیں تو بھی استاذ پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

www.rahimia.org

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔